لطائف اکبری ۔ نادر قلمی ملفوظ

خواجہ علی اکبر مودودیؒ (۱۲۰۶ھ) کے احوال واقوال

جناب مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی ۔ استاد دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے عشرۂ اول کے ایک بزرگ خواجہ سید علی اکبر مودودی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔ اپنے عہد میں اودھ میں مرجع خاص وعام اور روحانی پیشوا تھے۔ ان کا عہد اودھ کے نواب وزیر حکمراں خاندان کے دو نامور حکمرانوں، شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کا عہد تھا جو تاریخی، ذہنی ادبی اور علمی اعتبار سے اودھ کا ایک اہم دور ہے خواجۂ سید علی اکبر مودودیؒ کا آخری زمانہ جو کم و بیش ۳۵۔۴۰ سال پر مشتمل ہے۔ اجودھیا (ضلع فیض آباد) میں گذرا، جہاں وہ بریلی سے آکر مقیم ہو گئے تھے۔ اصلاً وہ دہلی کے رہنے والے تھے، یہاں کئی پشت پہلے ان کے آباواجداد، آبائی وطن چشت سے منتقل ہو کر مقیم ہو گئے تھے، ان ہی خواجۂ مودودیؒ کا یہ ملفوظ ہے جو ان کے نامور مرید، خلیفہ اور سگے خالہ زاد بھائی خواجہ سید ابو محمد حسن مودودیؒ متخلص بہ حسن نے (شاگرد جعفر علی حسرت لکھنوی وجرات لکھنوی) مرتب کیا ہے، اس وقت تک اس ضخیم ملفوظ کے صرف دو مخطوطوں کا سراغ مل سکا ہے۔ ایک نسخہ برادر محترم و معظم مولانا محمد میاں فرنگی محلی (جانشین حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمتہ اللہ علیہ) کے کتب خانے میں ہے جو اس مضمون کے سلسلے میں پیش نظر ہے دوسرا نسخہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

پیش نظر مخطوطہ، بڑے سائز (رجسٹر کے سائز) کے ۸۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے جلد اول اور جلد ثانی میں نصف نصف تقسیم کر دیا گیا ہے، تحریر جلی قلم، اور مطلا مذہب، پیشانی کے ساتھ۔ افسوس یہ ہے

کہ دونوں جلدیں کرم خوردگی کے قریب تر پہنچ چکی ہیں، یہ تو نہیں کہ مخطوطہ پڑھنے کے قابل نہ رہا ہو، بڑی حد تک محفوظ ہے لیکن کچھ صفحات ایسے ضرور ہیں جن کی عبارتیں بیچ بیچ سے کرم خوردہ ہوگئی ہیں، بس اسی حد تک کہ بعض الفاظ نصف یا کل کہیں کہیں سے غائب ہوگئے ہیں۔ اس طرح عبارت کا تسلسل جگہ جگہ مجروح ہوگیا ہے۔

اس مخطوطے کے آخر میں جو ترقیمہ ہے اس کی ضروری عبارت یہ ہے:۔

"۔۔۔۔ ربیع الثانی سن یک ہزار و دوصد و ہفتدہ (۱۲۱۷ھ)

ملفوظات حضرت پیر و مرشد۔۔۔ حضرت شاہ علی اکبر

صاحب المودودی قدس اللہ سرہٗ در بلدۂ لکھنو در عہد

عالی گہر شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و وزارت

نواب سعادت علی خاں حسن احتشام بزیر فت

برائے پاس خاطر حاجی حرمین الشریفین حاجی شرف الدین خاں۔

کتابت الحروف (کذا) سید سبحان علی" تمام شد

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مبیضہ ہے اور کسی دوسرے نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ حاشیہ پر جگہ جگہ تصحیح بھی کی گئی ہے۔ ملفوظ کی زبان فارسی ہے۔ وہی فارسی زبان جو ہندوستان میں علمی تصانیف کی زبان رہی ہے یعنی عربی آمیز لیکن کاتب سید سبحان علی نے املا کی متعدد غلطیاں کی ہیں زیادہ عالم نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

جامع ملفوظ خواجہ حسن، کی وفات کو عربی جنتری کے حساب سے پورے ڈیڑھ سو سال گذر چکے ہیں، اور اس مخطوطے کی کتابت کو ۱۴ سال کم دو سو برس، اس طرح جامع ملفوظات کی حیات ہی میں یہ مبیضہ تیار ہوچکا تھا، عجب نہیں کہ جامع ملفوظ خواجہ حسن کی نظر سے گذر چکا ہو۔

صاحب ملفوظ خواجہ سید علی اکبر مودودی بڑے باثر روحانی پیشوا گزرے ہیں اور جامع ملفوظ خواجہ حسن کے بارے میں تو تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ آدھا شہر لکھنؤ ان کا معتقد تھا، اور سارے

شہر میں "بڑے حضرت" کے نام سے ادبًا یاد کئے جاتے تھے، خواجہ حسن لکھنؤ ہی میں رہے اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ پرانے لکھنؤ کے محلہ رستم نگر میں ان کا مزار موجود ہے، خواجہ حسن کی مقبولیت شاہ و گدا میں یکساں تھی۔ اودھ کے حکمراں ان کا بے حد ادب کرتے تھے، خواجہ حسن کا قیام، اپنے پیر بھائی نواب محبت خاں محبت (فرزند حافظ رحمت خاں شہید والی ملک روہیل) کے ساتھ لکھنؤ میں رہا۔ جہاں ان کے ایک اور پیر بھائی (ارادت میں) اور استاد (شاعری میں) شیخ قلندر بخش جرأت بھی رہتے تھے۔ جرأت نواب محبت خاں کی سرکار میں ملازم بھی تھے۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کا ملفوظ، جو سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ امیر حسن علا سنجری کا لکھا ہوا ہے۔ جو "فوائد الفواد" کے نام سے تصوفی ادب کا ایک بیش بہا جزء ہے اور ذاتی طور پر مجھے اس ملفوظ سے بے حد لگاؤ ہے، زیر نظر ملفوظ کے لکھنے والے کا نام بھی حسن ہے اور اس میں بھی کچھ ویسی ہی کشش محسوس ہوتی ہے، ماہرین تاریخ کے فیصلے کے مطابق... ہندوستان کے تصوفی ادب کے غیر مستند انبار میں جہاں تک ملفوظات کا تعلق ہے "فوائد الفواد" پہلا ملفوظ ہے جو تاریخی صحت واستناد رکھتا ہے۔ زیر نظر ملفوظ "لطائف اکبری" بھی بلاشبہ مستند اور معتبر ملفوظ ہے بایں معنی کہ

هر جزوے را از اجزائے ایں گہر آب دار بطریق اصلاح از نظر کیمیا اثر جناب زبدۃ العرفا گزرانید، پس انچہ قابلِ اصلاح بود باصلاح آں پرداختند وانچہ از قصورِ سمع بہ تحریف آمدہ بدست مبارک ترقیمش (رکذا) ساختند الحمد للہ الموفق والمعین۔

اس درِ آب دار (یعنی ملفوظ موسوم بہ لطائف اکبری) کا ایک ایک جزء جناب زبدۃ العرفا کے (مراد صاحب ملفوظ خواجہ سید علی اکبر مودودی سے ہے) ملاحظے سے گزارا گیا ہے، جہاں جہاں اصلاح کی ضرورت تھی وہاں وہاں انھوں نے اصلاح فرما دی، اور جہاں کہیں سننے میں فرق کی وجہ سے کوئی کمی بیشی ہو گئی تھی وہاں اپنے دست خاص سے صحیح بات تحریر فرما دی (یا اس جگہ ترمیم کر دی، اگر "ترقیمش" کے بجائے "ترمیمش" ہو) الحمد للہ

"ملفوظ" کی اصطلاح تصوفی ادب میں بہت متعارف ہے۔ شیخ یا پیر طریقت، مریدوں کے سامنے ارشاد و تلقین سے متعلق جو گفتگو کرتا، یا مریدین کے شکوک و وساوس کے سلسلے میں جو جوابات دیتا۔ ان کو قلم بند کرتے رہنے کی روایت بہت دنوں سے چلی آرہی ہے۔ اسی قلم بند اقوال کو "ملفوظ" کی مخصوص اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے اس کے لفظی معنی بھی "بولے ہوئے" ہی کے ہیں۔

تصوفی ادب میں اس خاص صنف کو خصوصی اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ اس کا معاملہ ایک طرح کی "خود نوشت" کا سا ہوتا ہے۔ مسائل تصوف پر جو تصانیف کی گئی ہیں وہ قابل قدر ہونے کے باوجود بہت محدود حلقے کی دل چسپی کی ہیں، انہیں "خاصہ کی چیز" کہنا چاہئے، لیکن ان ہی مسائل کو جب واقعات و واردات کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے، تو احول، عہد، افراد اور شخصی رجحان کے عناصر شامل ہو کر انہیں عام دل چسپی کی چیز بنا دیتے ہیں، یہ بیانِ مسائل بھی ہے، تاریخ بھی، اور شخصیات کا مستند تعارف بھی۔

تاریخی پہلو سے وہ ملفوظات زیادہ مستند سمجھے جاتے ہیں جو شیخ طریقت کی زندگی میں قلم بند ہو کر خود شیخ کے ملاحظے سے گذر چکے ہوں اور صاحب ملفوظ نے اس میں حذف و ترمیم سے کام لیا ہو۔ شیخ کی مجلس میں گفتگو کو سن کر بعینہٖ قلم بند کر لینا عملاً اسی وقت ممکن ہے جب قلم بند کرنے والا مختصر نویسی سے (جو اب باقاعدہ فن بن چکا ہے) واقف ہو۔ ورنہ گفتگو کا خلاصہ یا مفہوم ہی صحت کے ساتھ قلم بند ہو سکے گا۔ سوائے اس مستثنیٰ صورت کے کہ قلم بند کرنے والا فطری طور پر زود نویسی پر قدرت تامہ رکھتا ہو، مختصر نویسی کے فن کے بغیر جب بھی کسی طویل گفتگو کو قلم بند کیا جائے گا تو کمی بیشی اور ردو بدل کا ہو جانا لازمی ہے۔ کبھی تو لکھنے میں اور کبھی سماعت کی کوتاہی کی وجہ سے، کہ پوری بات سننے میں نہ آسکی۔ نیز اگر شیخ کی مجلس ہی میں لکھ لینے کی بجائے مجلس برخاست ہونے کے بعد یادداشت کی مدد سے گفتگو کو قلم بند کیا گیا تو حافظے کے تفاوت کے ساتھ قلم بند تحریر کا درجۂ صحت واستناد بھی متفاوت ہو گا۔ اور اس صورت میں ردو بدل اور کمی بیشی کا امکان نسبتاً زیادہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر یہ تحریر، صاحب ملفوظ کی نظر سے گذر گئی ہے تو کم از کم اصل مفہوم میں

رد و بدل کی درستی ہو جاتی ہے۔ بہر حال لطائف اکبری، اس پہلو سے ایک مستند ملفوظ ہے کہ وہ صاحبِ ملفوظ کی نظرِ اصلاح سے گذر چکا ہے۔

جامع ملفوظ نے اپنی قلم بند کی ہوئی تحریر کے تین حصے کئے ہیں اور ہر حصہ کو "لطیفہ" قرار دیا ہے۔ لطیفہ علم تصوف کی ایک اصطلاح بھی ہے، لطیفۂ اوّل میں شیخ کے وہ ملفوظ درج کئے ہیں:۔

کہ دراں مصادر محافل حاضر بود	وہ ملفوظ جو جامع ملفوظ نے خود شیخ کی زبان سے سنے اور وہ خود ان محفلوں میں حاضر تھا۔

لطیفۂ دوم ان ملفوظات کو قرار دیا ہے:۔

در مسموعاتیکہ از زمرۂ یاران صادق الاقوال ..... مسموع گشتہ	جو معتبر (صادق الاقوال) پیر بھائیوں یا دوسرے ثقہ حضرات سے سننے میں آئے۔

تیسرا حصہ جن چیزوں پر مشتمل ہے وہ اگرچہ ملفوظ (گفتگو) نہیں ہیں مگر شیخ ہی کے تحریری ارشادات ہیں:۔

رقوماتیکہ در اوراق منتشرہ مبدوہ از قلم حقائق رقم و عبارات جناب زبدۃ العرفاء دیدہ شد	وہ تحریریں جو شیخ کے قلم سے مختلف اور منتشر کاغذوں پر لکھی ملی ہیں، اور جو خود ان کی عبارتیں ہیں۔

"یاران صادق الاقوال" سے جو کچھ سننے میں آیا ان کو قلم بند کرتے ہوئے راوی کے نام کا حوالہ دینا چونکہ اصولاً ضروری ہونا چاہئے۔ اس لئے مرتب نے ابتدائے تصنیف میں چند نام گنا دیئے ہیں۔

مثل سید السادات اخوی نسبتی و طریقی مولوی سید مبارز علی المودودی و مولوی برکت اللہ جون پوری و نواب محبت اللہ	رشتے اور ارادت کے پہلو سے بھائی مولوی سید مبارز علی مودودی، مولوی برکت اللہ جون پوری، نواب محبت اللہ خاں بہادر بن حافظ الملک بہادر شہید

خاں بہادر ابن حافظ الملک بہادر شہید
و شیخ ابوالفتح و الہ یار خاں و محمد مصطفےٰ خاں
و محمد عمر خاں و محمد مستجاب خاں و مرزا
فاضل بیگ ابن مرزا وجیہہ و مرزا محمد
معتمد فانی و عزیز القدر والشان مخبر برادرانت
خواجہ محمد حسین الکہاری، المودودی از
اخوان طریقت و مولوی محمد نافع بن مولوی
عبدالعلی ابن ملا نظام الدین لکھنوی و
امثال آں از ثقات۔

شیخ ابوالفتح، الہ یار خاں، محمد مصطفےٰ خاں، محمد عمر خاں،
محمد مستجاب خاں مرزا فاضل بیگ ابن مرزا وجیہہ، مرزا
محمد معتمد فانی، اور حقیقی چھوٹے بھائی خواجہ محمد حسین
الکہاری مودودی، یہ سب پیر بھائی ہیں اور (جو
صادق الاقوال اور ثقہ ہیں مگر پیر بھائی نہیں ہیں) جیسے
مولوی محمد نافع بن مولوی عبدالعلی (بحر العلوم)
بن ملا نظام الدین لکھنوی وغیرہ کے ایسے معتبر
لوگ،

سماعی حصۂ ملفوظات (یعنی لطیفۂ دوم) کے زیادہ تر راوی چونکہ یہی مذکورہ حضرات ہیں اس لئے مقدمہ میں ایک ہی جگہ سب راویوں کے نام درج کرنے کے بعد مرتب نے وضاحت کی ہے۔

در ہر محل بیانِ اسامی ایشاں چوں
موجب طوالت کتاب بود باشارہ پرداخت
مگر در بعضے مواضع کہ ناگزیر باشد وزاں
از ایراد نامِ شخص کہ ناقل باشد یا سائل
در مسموع و ملفوظ و آں بر سبیل شاذ
است،

ہر روایت کے ساتھ مذکورہ راویوں (میں سے ایک
کا یا چند کا نام لانا چونکہ کتاب کی طوالت کا باعث تھا
اس لیے راوی کے نام کے بجائے صرف اشارے پر
اکتفا کرنا پڑی، البتہ بعض مواقع پر اس شخص کا نام لانا،
جو مسموع یا ملفوظ کا ناقل ہے یا سائل ہے جس کے
جواب میں صاحبِ ملفوظ نے بات کہی ہے، ناگزیر ہو گیا
ہے مگر یہ بہت کم ہوا ہے۔

ملفوظ ہی کیا ہر قسم کی روایت کا یہی معاملہ ہے کہ راوی جس حد تک معتبر، سمجھ دار اور ذہین ہوتا ہے اسی اعتبار سے روایت کا درجۂ استناد مقرر ہوتا ہے، اس پہلو سے مذکورہ راویوں پر نظر ڈالنے سے بخوبی

اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ سب کم وبیش معروف شخصیتیں ہیں، محض معروف ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ کچھ تاریخی اور علمی پس منظر بھی رکھتی ہیں، پھر مرتب بھی تاریخی حیثیت سے خاصی نامور شخصیت ہے اور صاحب ملفوظ بھی محض شیخ طریقت نہیں بلکہ علمی تاریخ میں ایک جگہ رکھتے ہیں۔

صاحب ملفوظ | نزہتہ الخواطر و بہجتہ المسامع والنواظر کے فاضل مؤلف نے جو صاحب ملفوظ سے رشتہ کا تعلق بھی رکھتے ہیں، صاحب ملفوظ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

الشیخ الفاضل العلامة علی اکبر بن اسد اللہ بن امر اللہ الحسنی الفیض آبادی، کان من نسل الشیخ قطب الدین مودود الچشتی رحمہ اللہ ولد ونشأ بدهلی واخذ عن عمه وشیخه السید محمد میر الحسنی الدهلوی المشهور بالشیخ بھلن ولازمه مدة حیاته فلما مات عمه المذکور بفرخ آباد ونقل جسده الی مدینة بریلی اقام بها مدة ثم سافر الی الٰہ آباد سنة احدی وسبعین ومائة والف وعکف علی مطالعة کتب الشیخ محی الدین بن عربی ثم کتب الشیخ محب اللہ الٰہ آبادی علی قبر الشیخ محب اللہ المذکور الواقع علی شاطئ نهر جمن مع اشتغاله بالحق سبحانه

شیخ فاضل علامہ علی اکبر بن اسد اللہ بن امر اللہ حسنی فیض آبادی، حضرت شیخ قطب الدین مودود چشتی رح کی اولاد میں تھے، دہلی میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اپنے چچا اور مرشد سید محمد میر حسنی دہلوی سے جو شیخ بھلن کے عرف سے مشہور ہیں تحصیل علوم کی اور ان کی حیات... میں ان ہی کے ساتھ رہے، جب مرشد کا فرخ آباد میں انتقال ہوگیا اور ان کی نعش بریلی لائی گئی جہاں تدفین عمل میں آئی تو سید علی اکبر مودودی بھی بریلی چلے آئے، اس کے بعد ۱۱۷۱ھ میں الہ آباد کا سفر کیا اور وہاں قیام کرکے شیخ محی الدین بن عربی کی تصانیف کے مطالعے میں منہمک ہوگئے۔ شیخ ابن عربی کی تصانیف کے مطالعے کے بعد حضرت شیخ محب اللہ رح الہ آبادی کی تصانیف کا مطالعہ، شیخ الہ آبادی رح کے مزار پر جو دریائے جمنا کے کنارے ہے شروع کردیا اور عبادت و ریاضت کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ جاری رہا۔

صاحبِ ملفوظ شیخ علی اکبر مودودیؒ کے سلسلۂ بیعت کا شجرہ نقل کرنے کے بعد صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:۔

وهو من كبار المشائخ الجشتية في الهند وانتقل من دهلي الى فيض آباد وسكن بها وحصلت له الوجاهة العظيمة عند الامراء يكرمه النواب آصف الدولة ووزيره حسن رضاخان ويتودد اليه ويتلقى اشاراته بالقبول

شیخ علی اکبر مودودی، ہندوستان کے بڑے چشتیہ مشائخ میں تھے، دہلی سے فیض آباد آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ ان کا امراء اور حکام کی نظروں میں بڑا وقار تھا، نواب آصف الدولہ (وزیر الممالک) اور ان کے نائب حسن رضاخاں نہ صرف ان کی توقیر کرتے تھے بلکہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کی باتوں کو بسر وچشم قبول کرتے تھے۔

اس سلسلے میں مؤلف نزہۃ الخواطر نے ایک تاریخی واقعہ کا ذکر بھی کیا ہے کہ:

وهو الذي اشار الى الوزير ان يقيم الجماعة للصلوة وكانت الشيعة الامامية الى ذلك العصر يصلون الصلوة المفروضة منفردين فاستجاب الوزير من آصف الدولة وامر السيد دلدار علي النصير آبادي ان يتصدى لاقامة الجماعة فامتثل امره سنة احدى ومائتين والف،

ان ہی شیخ علی اکبر مودودی نے حسن رضاخاں (آصف الدولہ کے نائب یا وزیر) کو مشورہ دیا تھا کہ شیعوں کی نماز باجماعت کا اہتمام ہونا چاہئے، اس وقت تک شیعہ حضرات فرض نمازیں الگ الگ پڑھتے تھے، حسن رضاخاں نے اس معاملہ میں آصف الدولہ سے اجازت لے کر مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کو (جو بعد کو غفران مآب کے لقب سے مشہور ہوئے) شیعوں کی نماز باجماعت کی امامت کے لئے مامور کیا، یہ ۱۲۰۱ھ کی بات ہے،

شیعوں کی نماز باجماعت کی ابتدا شیعہ روایتوں کے مطابق بھی ۱۲۰۱ھ سے ہوئی اور پہلے

امام مولانا سید دلدار علی ہی ہوئے تھے یہ بھی متواتر روایت ہے، یہ نئی تاریخی سند مؤلف نزہتہ الخواطر کے واسطے سے دستیاب ہوئی کہ یہ خواجہ علی اکبر مودودی تھے جو شیعوں کی نماز باجماعت کے محرک ہوئے تھے،

مولفِ نزہتہ الخواطر سید عبدالحی الحسن رائے بریلوی اس کے آگے لکھتے ہیں:۔

وکان الشیخ علی اکبر من ارباب الوجد والسماع والتوحید الوجودی، وکان یفضل علیا کرم اللہ وجھہ علی سائر الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین صرح بہ فی وصایاہ لجد امی السید مھدی بن الحسن الھنسوی رأیتھا بخطہ	شیخ علی اکبر مودودی، حال قال، اور وحدت الوجود کے مسلک کے عامل تھے۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فضیلت دیتے تھے اس کی تصریح ان کی ان وصیتوں میں ہے جو میری والدہ کے دادا کو جن کا نام سید مہدی بن الحسن الہنسوی تھا کی تھیں۔ میں نے خود یہ وصیت ان کے قلم کی تحریر کردہ دیکھی ہے۔

شیخ علی اکبر حال قال کے مسلک کے ہوتے ہوئے بھی صاحب تصانیف تھے، مؤلف نزہتہ نے ان کی چند تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں دو وحدت الوجود کے مسئلہ پر ہیں جن کے نام تنبیہ الغنی اور تسویۃ التسویہ ہیں۔ ایک اور کتاب کا نام "مکاشفات" ہے جو دو جلدوں میں ہے یہ مولانا جامی کی تصنیف نفحات الانس کا حاشیہ ہے۔

شیخ علی اکبر مودودیؒ کا انتقال حسب صراحت مؤلف نزہتہ الخواطر ۱۲۱۱ھ میں فیض آباد (اجودھیا) میں ہوا اور (وہیں) تدفین عمل میں آئی،

صاحب ملفوظ کا سال وفات مولف نزہتہ الخواطر سے سید خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ (صاحب ملفوظ) کے سال وفات کے تعین میں تسامح ہوا ہے۔ خواجہ صاحب کی وفات ۱۲۱۰ھ سے ایک سال قبل جمادی الاولیٰ ۱۲۰۹ھ میں ہوئی تھی جس کو خواجہ مودودی کے خلیفہ اور سجادہ نشین، مرتب ملفوظ خواجہ حسن نے "لطائف اکبری" میں لکھا ہے۔

خواجہ حسن (مرتب ملفوظ) کی رسم سجادہ نشینی ادا ہونے کی تاریخ ۱۷ رجمادی الاول ۱۲۰۹ھ روز پنجشنبہ ہے۔

این قلیل البضاعۃ را بتاریخ ہفتدہم شہر جمادی الاولیٰ ۱۲۰۹ھ روز پنجشنبہ لباس با آساس جناب شیخ کامل و مکمل پوشانیدہ بر سجادہ حضور جلوہ گر ساختند	اس ناچیز (مرتب ملفوظ خواجہ حسن) کو ۱۷ رجمادی الاول ۱۲۰۹ھ بروز پنجشنبہ جناب مرشد کامل و مکمل کا خرقہ پہنا کر حضور مرشد کی مسند پر سب لوگوں نے بٹھا دیا (لطائف اکبری صفحہ ۲۵)

خواجہ علی اکبرؒ مودودی کی وفات کی ...... صحیح تاریخ اس سے بھی ظاہر نہیں ہوئی، اس لئے کہ ۱۷ رجمادی الاول کو سجادہ نشینی کی رسم لکھنؤ میں آکر ادا کی گئی تھی اور وفات خواجہ علی اکبر مودودیؒ کی اجودھیا میں ہوئی تھی جہاں سے سب لوگ روانہ ہو کر فیض آباد آئے۔ وہاں سے لکھنؤ آئے۔ اس سفر میں اس زمانے میں جتنا وقت صرف ہوا ہوگا وہ کسی طرح ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ سے کم نہ ہوگا۔

لطائف اکبری میں تاریخ وفات صراحتاً نظر نہیں آئی۔ لیکن مرتب ملفوظ نے اپنے پیر بھائی "جامع علوم منقول و معقول مولوی اولوی محمد اسلم صاحب" کے ایک خواب کو نقل کیا ہے جس میں کہا گیا ہے

اذا غلب علی النوم لیلۃ الجمعۃ من الشہر المذکور لیلۃ الرابعۃ من وفات جنابہ قدس اللہ سرہ	اسی مذکور مہینے (جمادی الاول) کی جمعہ کی رات کو جو خواجہ علی اکبر مودودی کی وفات کی چوتھی رات تھی جب مجھے نیند آئی۔

یعنی جمعہ کی رات کو جب مولوی محمد اسلم نے خواب دیکھا تو تین راتیں مرشد کی وفات کو گذر چکی تھیں، اس طرح خواجہ علی اکبر مودودیؒ کی وفات شب سہ شنبہ کو ہوئی ہوگی۔

اس خواب کے سلسلے میں مولوی محمد اسلم صاحب کا یہ قول بھی منقول ہے:

والیوم نقلت ہذا الرؤیا عند الحسن فقال	آج میں نے یہ خواب خواجہ حسن سے بیان کیا تو انھوں نے

اکتب ھذا افلذ اکتبت والیوم الخمیس کہا کہ اس کو لکھ دو، اس لئے میں نے قلم بند کر دیا اور آج

وعشر من الشھر الجمادی الاولیٰ ۱۲۰۹ھ (تاریخ تحریر جمعرات ۱۰ جمادی الاول ۱۲۰۹ھ

یعنی جمعرات کو جب یہ تحریر قلم بند ہوئی تو جمادی الاول کی دس تاریخ تھی اور اس سے قبل جمعہ کی

رات کو جب خواب نظر آیا تو جمادی الاول کی چوتھی تاریخ ہونا چاہئے۔ اور اس سے بھی تین راتیں قبل

یعنی پہلی جمادی الاول شب سہ شنبہ ۱۲۰۹ھ کو خواجہ سید علی اکبر مودودی کی وفات ہوئی اس طرح

وفات کی تاریخ دن مہینہ اور سال کا تعین ہو جاتا ہے اور صاحب نزہتہ الخواطر کی تحقیق سالِ وفات

کے سلسلے میں غلط ٹھہرتی ہے۔ ممکن ہے کہ تاریخ و یوم کی قیاسی تعیین کا حساب جس پر یہاں عمل کیا گیا

ہے سو فی صدی صحیح نہ بھی ہو تب بھی سال وفات بلا شبہ ۱۲۰۹ھ ہے نہ کہ ۱۲۱۰ھ جو صاحب نزہتہ

الخواطر نے قرار دیا ہے۔

نزہتہ الخواطر کے مؤلف نے صراحتاً لکھا ہے کہ خواجہ علی اکبر مودودیؒ صاحب تصانیف تھے انھوں

نے کئی کتابیں لکھی ہیں اور الشیخ الفاضل العلامتی کے القاب سے انہیں یاد کیا ہے اور اشارتاً لکھا

ہے کہ انھوں نے تحصیل علوم، اپنے مرشد اور چچا سید محمد میر حسنی معروف بہ شیخ بھلّن سے کی، اشارتاً

اس لئے کہ "اخذ عن عمہ و شیخہ" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ علوم ظاہری بھی اپنے شیخ سے

حاصل کئے یا صرف علوم باطنی ان سے حاصل کئے اور ظاہری علوم ان سے نہیں کسی اور سے حاصل

کئے۔ یہ شیخ علی اکبر مودودیؒ کے اساتذہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا ہے۔ لیکن جب وہ صاحبِ تصانیف تھے

تو صاحب علم بھی تھے اور ظاہر ہے کہ کسب علوم انھوں نے کہیں نہ کہیں ضرور کیا ہوگا۔ جب ہی تو

"الشیخ الفاضل العلامتی" کے القاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، لیکن جامع ملفوظ خواجہ حسن نے اس

بارے میں کچھ اور ہی اشارے کئے ہیں۔

تعلیم و تعلم | خود صاحب ملفوظ نے اپنی تعلیم کے سلسلے میں جو اجمالاً بیان دیا ہے جسے مرتب ملفوظ

خواجہ حسن نے ملفوظ میں قلم بند کر کے صاحب ملفوظ کے ملاحظے میں پیش بھی کیا تھا اس سے یہ اشارہ

ملتا ہے کہ خواجہ علی اکبر مودودیؒ کا علم کسبی نہیں بلکہ وہبی تھا اور انھوں نے کسی خاص استاد

کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، محض چند ابتدائی کتابیں بچپن میں پڑھی تھیں وہ بھی فراموش ہو گئی تھیں

صاحب ملفوظ کا بیان ہے :-

از محمد آباد برآمدم بعزم مکہ مبارک، راہِ
الہ آباد گرفتم در منزل بودم مشغول تلاوتِ
قرآن شریف کہ حالے بر من مستولی شد کنتُ
بکیتُ بکاءً شدیداً کہ بغتۃً بجہد دور رفت
پس آنچہ می خواندم معنیِ ہمہ را می فہمیدم و
تا آں حال جز از یک باب گلستاں و قدرے
از منطق الطیر یعنی تا حکایت شیخ صنعاں نخواندہ
بودم و آنہم از یاد رفتہ بود بہیچے کہ قوت
مطالعۂ عبارت فارسی نداشتم تا بفہمیدن
مقصود آں چہ رسد و از علم عربی جزم نہ بود
در ایام صغرِ سن بحث اوّل میزان الصرف
خواندہ بودم، پس چوں ایں معنی در خود یافتم
سجدات شکر الٰہی بجا آوردم و برہمیں حالِ
داخل الہ آباد شدم و دراں جا روزے چند
بودم شبے عزم مصمم شد کہ فردا ازیں بلدہ باید
برآمد بعد از نماز عشا بر بالین بودم چشم
بستہ دیدم کہ درویشے ایستادہ است بر من
می نگرد و تبسم می کند و می خواند
چوں طہارت نہ بود کعبہ و بتخانہ یکیست

محمد آباد (بنارس) سے مکۂ معظمہ کے قصد سے میں نے
الہ آباد کا راستہ اختیار کیا، راستہ میں ایک جگہ قرآن
شریف کی تلاوت میں مشغول تھا کہ ایک خاص کیفیت
میرے اوپر طاری ہو گئی اور میں خوب رویا اور بڑی
جد و جہد کے بعد وہ حالت رفع ہوئی پھر جو کچھ میں پڑھتا
تھا اس کا مطلب بھی سمجھتا جاتا تھا حالانکہ اس وقت
میری تعلیم گلستاں کے ایک باب اور منطق الطیر کی شیخ
صنعاں کی حکایت سے زیادہ نہیں ہوئی تھی اور یہ بھی
فراموش ہو چکی تھی اس حد تک کہ فارسی عبارت کے
پڑھنے کی صلاحیت بھی کھو چکا تھا اس عبارت کا مطلب
سمجھنے کا کیا ذکر، جہاں تک عربی کا معاملہ ہے تو اس سے
بالکل نابلد تھا بچپن میں میزان الصرف کی پہلی بحث (ماضی
مطلق کی گردان) صرف پڑھی تھی جب یہ کیفیت اپنے
میں پائی کہ قرآن شریف کا مطلب از خود سمجھ میں آرہا ہے
تو میں نے شکرانے کے سجدے کئے اور اسی حالت میں
الہ آباد پہنچا، کچھ روز وہاں قیام کرنے کے بعد ایک رات
مصمم ارادہ کر لیا کہ کل شہر سے روانہ ہو جاؤں گا (مکۂ معظمہ
کی طرف) عشا کی نماز کے بعد تکیہ پر سر رکھے آنکھیں بند
کئے تھا کہ خواب میں ایک درویش کو دیکھا جو کھڑا مجھے

بیدار گردیدم و در خود اثرے ازاں میل کہ سابق بر زیارت کعبۂ شریفہ داشتم احساس نہ کردم و بعنوان تحصیل طہارت مذکور مشغول گشتم (لطائف اکبری جلد دوم ص۴۷ قلمی)

تک رہا ہے اور ہنس رہا ہے اور یہ مصرعہ پڑھ رہا ہے۔ "آلودگیوں سے پاک وصاف نہیں تو کعبہ اور بتخانہ جانا کیسا ہے" جاگ پڑا اس کے بعد محسوس کیا کہ کعبہ شریف کی زیارت کا جو رجحان پہلے تھا وہ اب نہیں ہے، پھر اس طہارت اور پاکیزگی کے حاصل کرنے میں جس کا ذکر درویش کے کلام میں تھا، میں مشغول ہو گیا۔

"طہارت مذکورہ" کا اشارہ یہی بتا رہا ہے کہ فضائل روحانیہ کے حصول میں مشغول ہو گئے اور علوم ظاہری کے کسب کا موقعہ پھر ہاتھ نہیں آیا۔ اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو حیرت انگیز ضرور ہے کہ میزان الصرف کی پہلی بحث گلستاں کا ایک باب اور منطق الطیر کے کچھ اجزاء پڑھ کر خواجہ علی اکبر مودودیؒ ایسے دقیق مسائل پر تصانیف کریں اور ملفوظ میں مندرج علمی مباحث پورے عبور و وثوق کے ساتھ چھیڑتے رہیں! سیر، تاریخ، علوم عقلیہ ونقلیہ اور تصوف میں ان کے وسیع مطالعے کا واضح ثبوت ان کے ملفوظ سے بخوبی مل جاتا ہے، وہ عربی کے صفحے صفحے لکھتے ہیں، علما سے نازک ترین مسائل پر بحث کرتے اور ان کو ساکت بھی کر دیتے ہیں۔

ملفوظ کے مرتب نے بھی یہی اندازہ کیا ہے کہ صاحبِ ملفوظ کو ظاہری تلمذ کسی سے نہ تھا اسی سلسلے میں وہ "جامع ملفوظ گوید" کے تحت ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک عالم سے ایک روز خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ کے علم وہبی ولدنی کا ذکر آیا، میں نے کہا:

بحسب ظاہر اتفاقِ تحصیل بآنجناب نشدہ الا بابے از گلستانِ سعدی و نبذے از منطق الطیر فرید الدین عطار رحمہما اللہ تعالیٰ تا حکایت شیخ صنعاں عالمے ازیں قصہ آگاہ است اما بالفعل آنجناب عبور بر علوم

ظاہری طور پر ان کو تحصیل علم کا اتفاق نہیں ہوا سوائے گلستانِ سعدی کے ایک باب اور خواجہ فرید الدین عطار کی کتاب منطق الطیر کے کچھ اجزاء کے یعنی شیخ صنعاں کی حکایت تک، اور یہ بات ساری دنیا کو معلوم ہے کہ خواجہ علی اکبر مودودیؒ نے محض اتنا ہی پڑھا تھا۔

متداولہ وعبور بر حقائق ومعارف حتیٰ کہ وقتے از اوقاتِ درویشانہ بر توریت و انجیل واز دیگراں ادیان والسنہ ہم دارند دیگرے رامعلوم ہر چہ کہ از علما دفقرا وغیرہ ذالک از ہر مذہبے وملتے سوال می نمائند جوابِ شافی می یابد الغرض مبالغہ دریں باب عبث است۔

(لطائف اکبری قلمی ص۲۶)

مگر اب صورت حال یہ ہے کہ علوم متداولہ پر ان کو عبور حاصل ہے اور حقائق و معارف پر بھی پوری دسترس ہے اور مخصوص کیفیات درویشی کے اوقات میں تو توریت اور انجیل اور دوسرے مذاہب اور دوسری زبانوں سے واقفیت تک کا ان سے اظہار ہوتا ہے دوسروں کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ اہل علم اور اہل فقر میں سے خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں جس قسم کا سوال کوئی کرتا ہے اس کا اطمینان بخش جواب بھی پاتا ہے پس اس معاملے میں مزید گفتگو عبث ہے۔

گر یہ صاحب علم مطمئن نہیں ہوئے ان کا کہنا یہ تھا کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کو بھی لفظی علم غیب سے نہیں ملا ہے اگر ملا ہے تو صرف معناً ملا ہے۔ خواجہ حسن (مرتب ملفوظ) نے ایسے کئی اولیا اللہ کا حوالہ دیا اور کتابوں میں دکھا بھی دیا کہ ان کو علم لفظی (ظاہری) بغیر تلمذ کے نصیب ہوا تھا۔ مگر ہر ایسے حوالے کے بارے میں وہ صاحب یہی کہتے کہ یہ تو علم معنی ہے نہ کہ علم لفظی، اپنی یاد کے مطابق جتنے نام، علم لدنی نصیب ہونے والوں کے تھے جامع ملفوظ نے ان صاحب کو جب سب سے منکر پایا تو اپنے پیر بھائی، نواب محبت خاں بہادر (فرزند نواب حافظ رحمت خاں بہادر والیِ ملک روہیل) سے پوچھا کہ وہ کوئی ایسا نام بتائیں جس سے مخاطب بھی متفق ہو، نواب محبت خاں نے کہا سوائے پیر ومرشد کے جن کو تمام علوم درسی وغیر درسی حتیٰ کہ توریت وانجیل اور افغانی زبان تک کا علم لفظاً ومعناً ہے اور کوئی نام یاد نہیں آرہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب نے نفحات الانس کے حوالے سے ابو عبداللہ کا نام لیا جو "بابونی" کہلاتے تھے اور کردی الاصل تھے جن کا یہ مقولہ ہے "امسیت کردیاً واصبحت عربیاً" (رات تک میں کردی تھا اور صبح جو ہوئی تو عربی ہو چکا تھا) ان کردی صاحب کا واقعہ یوں ہے کہ یہ شیراز کے ایک مدرسے میں گئے جہاں طلبا آپس میں

علمی بحثیں کر رہے تھے۔ انھوں نے طلبا سے کچھ سوالات پوچھے جو ظاہر ہے کہ فضول قسم کے تھے اسلئے کہ یہ تو جاہل تھے، طلبا ہنسنے لگے، کردی صاحب نے طلبا سے کہا کہ مجھے بھی کچھ پڑھا دو۔ لڑکوں نے دل لگی میں کہا "اگر عالم بننا چاہتے ہو تو ایک کام کرو آج رات اپنے گھر میں چھت سے ایک رسی لٹکاؤ اور اس میں اپنے پاؤں باندھ کر الٹے لٹک جاؤ اور جس قدر ہو سکے "کرنیزہ عصقرہ" کے الفاظ کہے جاؤ تمام علم تمہیں حاصل ہو جائے گا،، کردی صاحب یہ نہ سمجھے کہ لڑکے مسخرہ پن کر رہے ہیں انھوں نے جیسا لڑکوں نے بتایا تھا ویسا ہی کیا حسنِ نیت اور یقین کی صداقت کا یہ ثمرہ ملا کہ وہ عالم اور ولی کے درجے میں راتوں رات پہنچ گئے۔ اب جو کوئی ان سے نازک مسائل دریافت کرتا یہ اس کو اطمینان بخش جواب دیتے اور جو کوئی ان سے بحث کرتا اس پر بحث میں غالب آجاتے۔

لطائف اکبری میں مندرج اس ساری تفصیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ کا علم تحصیلی نہ تھا اور اہل کشف کے لئے خواجۂ مودودی تحصیلی علم کی ضرورت بھی نہیں مانتے تھے، اس سلسلے میں ایک دل چسپ مکالمہ خواجۂ مودودی صاحبِ ملفوظ اور ملا محمد ولی فرنگی محلی (مشہور زمانہ ملا حسن فرنگی محلی کے حقیقی بھائی) کے درمیان ہوا تھا جس کی تفصیل لطائف اکبری میں پڑھنے کے لائق ہے اس گفتگو میں بھی صاحب ملفوظ خواجۂ مودودی نے تحصیل علم کے بارے میں اشارتاً و کنایتاً وہی کہا ہے جو ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا۔ جامع ملفوظ خواجہ حسن لکھتے ہیں کہ:-

خدمت فضیلت پناہ مولوی ولی سلمہ اللہ العلی کہ تلمیذ رشید و برادر زادۂ جناب استاذ العلماء مولانا نظام الدین اللکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ و بالفعل در مدرسۂ مولانا مرحوم مدرس قوی خدمت ایشاں است برائے ملاقات جناب زبدۃ العرفا تشریف آوردند

فضیلت پناہ جناب مولوی ولی سلمہ اللہ العلی جو استاذ العلما ملا نظام الدین لکھنوی (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد رشید اور بھتیجے ہیں اور آج کل ملا نظام الدینؒ کے مدرسے (واقع فرنگی محل) میں بڑے اہم مدرس ہیں زبدۃ العرفا (خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ) کی ملاقات کو تشریف لائے۔

(باقی)

عسہ ملا محمد ولی فرنگی محلی ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد رشید تھے مگر "برادر زادہ" (بھتیجے) نہیں تھے ملا ولی کے والد قاضی غلام محمد مصطفیٰ ملا نظام الدین کے سگے بھتیجے تھے یعنی ان کے سب سے بڑے بھائی ملا محمد اسعد بن ملا قطب الدین شہید سہالوی کے بیٹے تھے قاضی صاحب کے بیٹے ملا ولی اور ملا حسن تھے اس طرح ملا ولی ملا نظام الدین کے پوتے تھے) محمد رضا انصاری